شفاخانے، مسلمانوں کی طبی خدمات

ڈاکٹر غلام قادر لون

مؤرخین نے عہد وسطیٰ کے شفاخانے کے لیے "بیمارستان" کا لفظ استعمال کیا ہے، جو دو لفظوں "بیمار" اور "ستان" (جگہ) سے مل کر بنا ہے۔ یوں فارسی زبان کی اس ترکیب "بیمارستان" کے معنی "بیمار کی جگہ" ہے۔ عربوں کے یہاں اس کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ ایران کے صوبہ خورستان کے شہر جندی شاپور میں ساسانی حکمرانوں نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، جہاں طب کی تعلیم دی جاتی تھی، مدرسے میں ایک بیمارستان بھی تھا۔ اس مدرسے نے مسلم طب پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ایرانی اثرات ہی کا نتیجہ تھا کہ عربوں نے شفاخانے کے لیے فارسی ترکیب "بیمارستان" لی اور اسے اپنے یہاں رائج کیا۔ بیمارستان کا لفظ آگے چل کر "مارستان" بن گیا۔ اکثر طبی تصانیف میں مارستان ہی استعمال ہوا ہے۔[1]

اسلام میں سب سے پہلا شفاخانہ خلیفہ ولید بن عبدالملک (۷۰۵ء-۷۱۵ء) نے دمشق میں بنوایا۔ ۷۰۷ء میں خلیفہ نے اپنے ہاتھوں سے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ اسلامی دنیا کا یہ اولین شفاخانہ جذامیوں کے لیے مخصوص تھا۔ خلیفہ نے مریضوں کی دیکھ بھال کے لیے اطبا تعینات کیے اور ان کے لیے تنخواہیں مقرر کر دیں۔ بیماروں کے لیے معاش اور طعام و قیام کا انتظام شفاخانے ہی میں کیا گیا۔ انھیں ہدایت تھی کہ وہ باہر آکر تندرست لوگوں سے میل جول نہ رکھیں۔

خلافت عباسیہ میں خلیفہ ہارون الرشید نے جندی شاپور کے مدرسہ طب سے تحریک پا کر عیسائی طبیب جبرئیل بن بختیشوع کو بغداد میں شفاخانہ کھولنے کا حکم دیا۔ شفاخانہ قائم ہوا تو جندی شاپور کے بیمارستان سے ایک ماہر دواساز ماسویہ کو بغداد لایا گیا۔ بعد میں ماسویہ کا بیٹا یحییٰ بیمارستان کا نگراں مقرر ہوا۔ ہارون الرشید کے عہد میں بغداد میں متعدد ہسپتال بنوائے گئے، ان کے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی نے اپنے خرچ سے "بیمارستان برامکہ" تعمیر کیا، جس کا نگراں ایک ہندستانی طبیب ابن دھن مقرر تھا۔ اس کے بعد بغداد میں خلیفہ المعتضد (۸۹۲ء-۹۰۲ء) نے دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ایک بیمارستان بنوایا، جس کے اخراجات، خلیفہ متوکل کی والدہ سجاح کے وقف سے پورے ہوتے تھے۔ تیسری صدی ہجری ہی میں بغداد

کے محلہ حربیہ میں ایک اور بیمارستان قائم کیا گیا جو "بیمارستان حربیہ" کہلایا۔ خلیفہ المقتدر (۹۰۸ء-۹۳۲ء) کے وزیر ابوالحسن علی بن عیسیٰ نے ۹۱۴ء میں ایک وقف مقرر کیا۔ جون ۹۱۸ء میں سنان بن ثابت نے بغداد کے بازار سوق یحییٰ میں خلیفہ المقتدر کے حکم سے "بیمارستان السیدہ" بنوایا جس کا ماہوار خرچ ۶۰۰ دینار کے قریب تھا۔ اسی سال خلیفہ نے سنان کے مشورے پر بغداد کے باب الشام میں اپنے نام پر ایک شفاخانہ تعمیر کروایا جو "بیمارستان المقتدری" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا ماہانہ خرچ ۲۰۰ دینار تھا، جو خلیفہ اپنی جیب خاص سے دیتے تھے۔ عباسی عہد کے مشہور وزیر ابن الفرات نے اپنے نام پر بغداد میں "بیمارستان ابن الفرات" قائم کیا۔ یہ شفاخانہ محلہ "درب المفضل" میں واقع تھا۔ دسویں صدی عیسوی میں خلافت اسلامیہ کا سب سے شان دار ہسپتال عضدالدولہ بویھی (۹۴۹ء-۹۸۲ء) نے ۹۸۲ء میں بنوایا، جو "بیمارستان عضدی" کے نام سے مشہور ہوا۔ "بیمارستان عضدی" نہ صرف بغداد بلکہ عالم اسلام کا بہترین شفاخانہ تھا۔

دسویں صدی عیسوی کے آغاز میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں شفاخانے کھولے گئے۔ اسی زمانے میں رے اور نیشاپور میں کئی بیمارستان بنوائے گئے۔ رے کا بیمارستان بہت بڑا تھا۔

مصر میں سب سے پہلے خلیفہ متوکل کے وزیر فتح بن خاقان نے ہسپتال بنوایا، جو "بیمارستان مغافر" کے نام سے مشہور تھا۔ بعدازاں احمد ابن طولون (المتوفی ۸۸۴ء) جب مصر کے والی ہوئے تو انھوں نے اپنے نام پر ایک بڑا بیمارستان بنوایا، جو "بیمارستان احمد بن طولون" کہلایا۔ یہ بیمارستان ۸۷۲ء میں بنا۔ مصر کا ایک اور بیمارستان "بیمارستان کافوری" کے نام سے مشہور تھا۔

اسلامی مملکت کا سب سے شاندار شفاخانہ بغداد کا "بیمارستان عضدی" تھا، جس کی تقلید میں مختلف شہروں میں بڑے بڑے بیمارستان بننے لگے۔ چھٹی صدی ہجری میں نورالدین زنگی (۱۱۴۶-۱۱۷۵ء) نے دمشق میں ایک بڑا شفاخانہ تعمیر کروایا جو "بیمارستان کبیر دمشق" کہلایا۔ اسی صدی میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے قاہرہ کے شاہی ایوان میں "بیمارستان صلاح الدین غازی" بنوایا۔ شفاخانے کی دیواروں پر مکمل قرآن مجید لکھا ہوا تھا۔ سلطان صلاح الدین نے اسکندریہ میں بھی ایک ہسپتال تعمیر کروایا، جس کا تذکرہ مؤرخین نے کیا ہے۔ بغداد کے بیمارستان عضدی اور دمشق کے بیمارستان کبیر کے بعد سلطان منصور قلاؤن نے قاہرہ میں ایک بہت بڑا ہسپتال بنوایا۔ یہ شفاخانہ انھوں نے ایک بڑے محل میں قائم کیا۔ ملک منصور نے محل کی عمارت کے علاوہ متعدد عمارات بنوائیں جن کی تعمیر میں مصر کے تمام مزدور اور ۳۰۰ قیدی ہر روز کام کرتے تھے۔ بادشاہ خود بھی روزانہ عمارات کے ملاحظہ کے لیے آتا تھا۔ ۱۱ ماہ لگاتار کام کے بعد ۱۲۸۴ء میں یہ عظیم الشان ہسپتال پایہ تکمیل کو پہنچا، جس محل میں یہ بیمارستان کھولا گیا، اس کا احاطہ ۱۰۶۰۰ گز تھا۔ عمارت کے ستون سنگ مرمر اور سنگ رخام سے تیار کرائے گئے تھے۔ یہ ہسپتال "مارستان المنصور" کے نام سے مشہور

ہوا۔ ول دوراں (Will Durrant) کے بقول یہ قرون وسطیٰ کا سب سے بڑا ہسپتال تھا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج ۵' ص ۳۰۲)۔

مصر کے علاوہ افریقہ کے دوسرے اسلامی خطوں میں بھی ہسپتال قائم کیے گئے۔ سلطان یعقوب المنصور الموحدی (۱۱۸۴-۱۱۹۹ء) نے مراکش میں ایک بڑا بیمارستان بنوایا۔ مرینی سلاطین نے یعقوب المنصور کے شفاخانوں کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ خود بھی متعدد شفاخانے تعمیر کرائے۔ سلطان عبدالغالب مانہ السعدی (۱۵۵۷-۱۵۷۴ء) نے مراکش میں ایک ہسپتال تعمیر کروایا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ' بذیل مادہ "بیمارستان" از G.S. Colin' ج ۵' ص ۳۰۷-۳۰۸)۔

ترکی کے سلاطین نے بھی شفاخانوں کے قیام کی طرف خاص توجہ دی۔ ان کے یہاں ہسپتال کے لیے بیمارستان اور مارستان کے علاوہ دارالشفا' دارالعافیہ اور تیمارخانہ کے الفاظ بھی استعمال ہوتے رہے ہیں۔ سب سے پہلا سلجوقی دارالشفا ۱۲۰۶ء میں قیصری میں قائم ہوا۔ بعدازاں دوسرے مقامات سیواس' دیورھری' چانکیری' قسطمونی' قونیہ' توقاد' ارزروم' ارزنجان' ماردین اور آماسیہ میں شفاخانے کھولے گئے۔ عثمانی سلاطین نے سب سے پہلا ہسپتال "دارالشفائے یلدرم" کے نام سے بروسہ میں ۱۳۹۹ء میں کھولا۔ اس کے بعد ۱۴۷۰ء میں محمد دوم الفاتح ۱۴۵۱-۱۴۸۱ء نے "دارالشفائے فاتح" تعمیر کیا۔ نویں صدی ہجری ہی کے آخر میں ادرنہ میں دریا کے کنارے ایک عمارت بنوائی اور اس کے ایک حصے میں دارالشفا کھولا' اس کی تعمیر آٹھ برسوں میں مکمل ہوئی۔ سولھویں صدی عیسوی کے دوران استنبول میں تین بڑے ہسپتال کھولے گئے۔ ان میں سلیمان اعظم کی بیوی خرم سلطان کے نام پر خاصکی کا بیمارخانہ ۱۵۳۹ء میں تعمیر ہوا۔ ۱۵۵۵ء میں سلیمان کے نام پر ایک دارالشفا اور مدرسہ طب وجود میں آئے۔ سلطان مراد ثالثؒ کی والدہ بانو سلطان کے نام پر "توپ طاشی کا بیمارخانہ" ۱۵۸۳ء میں بنوایا گیا جو ۱۹۲۷ء تک چلتا رہا۔ منیہ میں حافظ سلطان کی والدہ کے نام پر بھی ۱۵۳۹ء میں ایک بڑا ہسپتال تعمیر کیا گیا۔ اگلی صدی کے دوران ۱۶۲۶ء میں استنبول میں ایک اور ہسپتال قائم ہوا' خلافت عثمانیہ کے آخری دور کے شفاخانوں میں استنبول میں بچوں کا ششلی (شیشہ دار) شفاخانہ بھی قابل ذکر ہے' جسے سلطان عبدالحمید ثانی نے ۱۸۹۸ء میں بنوایا۔ بڑے ہسپتالوں کے علاوہ سلطنت ترکی کے دوسرے مقامات پر بھی شفاخانے کھولے گئے تھے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ بذیل مادہ "بیمارستان" از Bedi N. Seshvaroglu' ج ۵' ص ۳۰۹-۳۱۱)۔

مسلم اسپین میں بھی شفاخانوں کے قیام میں خلفا نے خاص دلچسپی لی۔ قرطبہ میں ایک بڑا ہسپتال کھولا گیا' جس کے چیف سرجن ابوالقاسم زہراوی تھے۔ غرناطہ اور دوسرے شہروں میں بھی متعدد شفاخانے بنوائے گئے۔ ہسپتالوں میں مسلمانوں کی دل چسپی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف قرطبہ میں تین

درجن سے زائد شفاخانے موجود تھے۔

ہسپتالوں کے قیام میں برعظیم ہندوپاک کے مسلم سلاطین بھی اپنے ہم مذہبوں سے پیچھے نہیں رہے۔ محمد تغلق (۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) کے عہد حکومت میں ۱۲۰۰ اطبا سرکاری ملازم تھے۔ صرف پایۂ تخت دہلی میں چھوٹے بڑے شفاخانوں کی تعداد ۷۰ تھی۔ ان کے جانشین فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) نے مزید پانچ شفاخانوں کا اضافہ کیا۔ فیروز شاہ تغلق نے تخت نشین ہونے کے بعد ایک فرمان جاری کیا، جس میں ۱۰۰ شفاخانے قائم کرنے کا حکم بھی شامل تھا۔ مغل حکمرانوں میں جلال الدین محمد اکبر (۱۵۴۲-۱۶۰۵ء) نے متعدد دارالشفا قائم کرائے، جن میں کئی اکبر آباد میں تھے۔ جہاں گیر نے ۱۶۰۵ء میں تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی حکم دیا کہ بڑے شہروں میں شفاخانے کھولے جائیں اور بیماروں کے علاج کے لیے اطبا مقرر کیے جائیں، جن کے اخراجات سرکاری خزانے سے دیے جائیں۔ شاہ جہاں، اورنگ زیب اور ان کے بعد کے حکمرانوں نے بھی بڑے بڑے شہروں میں شفاخانے قائم کیے (طب العرب، ص ۴۹۰-۴۹۳)۔

قرون وسطیٰ کے دوران خلافت امیہ کے مختلف شہروں میں شفاخانوں کا جال پھیلایا گیا تھا۔ خراسان، موصل، حلب، اسکندریہ وغیرہ میں ان گنت شفاخانے قائم تھے۔ مؤرخوں اور سیاحوں نے جو چشم دید حالات بیان کیے ہیں ان کے مطابق بغداد میں ۶۰ شفاخانے تھے۔ قرطبہ کے شفاخانوں کی تعداد ۵۰ تھی۔ اکیلے استنبول میں ترکوں نے پانچ صدیوں کے اندر ۷۰ شفاخانے قائم کیے۔ قاہرہ، دمشق اور دوسرے بڑے شہروں کا حال اس سے مختلف نہ تھا۔ میکس میرہاف کا بیان ہے:

> ہسپتال شروع ہی میں قائم کیے گئے اور یہ غالباً قدیم اور مشہور مدرسہ جندی شاپور کے نمونے پر بنوائے گئے، جس میں ایک بیمارستان بھی تھا۔ اسلامی دنیا میں اسی سے ہسپتال کے لیے بیمارستان کی اصطلاح اخذ کی گئی ہے۔ ہمارے پاس کم از کم ۳۴ ایسے اداروں کے بارے میں مستند معلومات موجود ہیں، جو ایران سے مراکش اور شمالی شام سے مصر تک پھیلے ہوئے تھے (The Legacy of Islam, pp 335-336)۔

یہ امر ملحوظ رہے کہ میکس میرہاف کا یہ بیان عہد زریں یعنی ۹۰۰-۱۱۰۰ء تک کے ہسپتالوں تک محدود ہے اور اس میں بھی مسلم اسپین شامل نہیں ہے۔

مسلم شفاخانوں کی یہ زریں تاریخ یہیں ختم نہیں ہوتی۔ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ولید نے جو پہلا شفاخانہ قائم کیا وہ جذامیوں کے لیے مخصوص تھا۔ یہ بدنصیب طبقہ ہر دور میں دردمند مسلم حکمرانوں کے لیے باعث توجہ رہا ہے۔ مسلمانوں نے نہ صرف جذامیوں بلکہ اندھوں، یتیموں اور اپاہج عورتوں کے لیے بھی مناسب انتظام کیا۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ہر اپاہج کے لیے ایک خادم اور ہر اندھے کے لیے ایک عصاکش مقرر کیا تھا۔ اس کے بعد خلیفہ منصور نے نابینا انسانوں' یتیموں اور اپاہج عورتوں کے لیے ایک دارالاقامہ (ہوسٹل) بنوایا۔ موحدین میں سلطان یعقوب المنصور الموحدی نے اپنی سلطنت کے الگ الگ حصوں میں پاگلوں' کوڑھیوں اور اندھوں کے لیے شفاخانے بنوائے۔ ترک سلاطین نے سیواس' قسطمونی اور قیصری میں کوڑھی خانے تعمیر کیے' جن میں کوڑھ کے مریضوں کا علاج ہوتا تھا۔ نویں صدی ہجری میں سلطان مراد دوم (۱۴۲۱-۱۴۵۵ء) نے اورنہ میں ایک کوڑھی خانہ بنوایا جو دو سو سال جاری رہا۔

کوڑھ کے مریضوں کو جذامی کے بجائے مرضی کہا جاتا تھا۔ یہ نام انھیں حسن تعبیر کے طور پر دیا گیا تھا۔ عام طور پر انھیں شہر سے الگ ایک بستی میں بسایا جاتا تھا۔ شہر قرطبہ کا ایک پورا محلّہ ربض المرضی (بیماروں کی بستی) کی حیثیت سے معروف تھا۔ فاس میں کوڑھیوں کو پہلے باب الخوخہ سے باہر تلمسان جانے والی سڑک پر بسایا گیا' پھر ساتویں صدی ہجری میں انھیں باب الشریعہ کے باہر غاروں میں رکھا گیا۔ ۶۵۸ھ میں انھیں باب الشریعہ کے باہر دوسرے غاروں میں بسایا گیا۔ کوڑھیوں کی اس بستی کو "الحارہ" کہا جاتا تھا' اکثر مسلم شہروں میں "الحارہ" ضرور ہوتے تھے لیکن ضرورت اور حالات کے پیش نظر "الحارہ" ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل بھی ہوتا تھا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج ۵' ص ۳۰۷-۳۰۸)۔

شفاخانوں کی طرح مسلمانوں نے پاگلوں کے لیے "دارالمجانین" کے نام سے پاگل خانے تعمیر کرائے۔ اسلام میں سب سے پہلا پاگل خانہ خلیفہ منصور نے بنوایا' جسے دارالمجانین کہتے تھے۔ تیسری صدی ہجری میں واسط اور بغداد کے درمیان دیرہزقل کے مقام پر ایک پاگل خانہ تھا۔ چھٹی صدی ہجری میں دمشق میں ایک پاگل خانہ بنوایا گیا جس میں پاگلوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ اسی صدی میں سلطان یعقوب المنصور الموحدی نے اپنی سلطنت میں پاگل خانے قائم کیے' مستقل پاگل خانوں کے علاوہ ہسپتالوں میں بھی پاگلوں کے لیے علیحدہ وارڈ تھے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج ۵' ص ۳۰۷-۳۰۸)۔ قاہرہ میں "بیمارستان احمد ابن طولون" میں پاگلوں کے لیے مخصوص وارڈ تھے۔ قاہرہ ہی میں صلاح الدین ایوبی کے بنائے ہوئے بیمارستان میں پاگلوں کے علاج کے لیے الگ الگ مکانات تھے' جو ایک علیحدہ وسیع احاطے میں تھے۔ دریچوں میں لوہے کی جالیاں لگی ہوئی تھیں (طب العرب' ص ۴۸۵)۔

قرون وسطیٰ کے مسلم شفاخانوں میں بعض غیر ملکیوں' پردیسیوں' غریبوں اور بیمار مسلمانوں ہی کے لیے مخصوص ہوتے تھے۔ سلطان یعقوب المنصور الموحدی نے اپنے دارالسلطنت میں ایک شان دار ہسپتال بنوایا' جس میں ان لوگوں کا علاج کیا جاتا تھا جو غریب الدیار یا پردیسی ہوتے تھے۔ ساتویں صدی ہجری میں بنونصر کے سلطان محمد پنجم نے غرناطہ میں ایک شان دار شفاخانہ کھولا' جس کی عمارت ۱۳۶۷ء میں مکمل ہوئی۔ اس میں

صرف غریب مسلمانوں کا علاج ہوتا تھا۔ سلطان ابوفارس الحفصی نے "مفلس" غریب الدیار اور بیمار مسلمانوں کے لیے ایک شفاخانے کی بنیاد ڈالی' جو ۱۴۲۰ء میں مکمل ہوا۔ اسلامی قلمرو کے دوسرے شہروں میں بھی اس طرح کے ادارے قائم ہوئے۔ مغرب کے مسلم حکمرانوں نے شفاخانوں کے علاوہ مسافروں کے لیے شہروں کے باہر منزل بھی بنائے جہاں مسافر قیام کرتے تھے۔ انھیں تراویہ کہتے تھے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج ۵' ص ۳۰۷-۳۰۹)۔

مسلمانوں نے دسویں صدی عیسوی ہی میں جیل خانوں میں قیدیوں کے علاج معالجے کا بندوبست کیا تھا۔ المقتدر کے وزیر ابوالحسن علی بن عیسیٰ نے افسرالاطبا سنان بن ثابت کو حکم دیا کہ اطبا کی ایک جماعت مقرر کی جائے جو روزانہ جیلوں میں جاکر بیمار قیدیوں کا علاج کرے۔ سنان نے حکم کی تعمیل کی اور اطباء کا عملہ مقرر کیا۔ یہ لوگ روزانہ ہر جیل میں جاکر معائنہ کرتے تھے۔ بیمار قیدیوں کا علاج کیا جاتا اور حسب ضرورت ان کے لیے ایسی غذا تیار کرواتے تھے جس میں گوشت نہیں ہوتا تھا بلکہ دھنیا وغیرہ ڈال کر بیماروں کے لیے پکتا تھا' اسے "مزورات" کہتے تھے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج ۵' ص ۳۰۵)۔

گشتی ہسپتالوں کا قیام بھی اسی وزیر کی یادگار ہے۔ انھوں نے سنان بن ثابت کو حکم دیا کہ اطبا کی ایک جماعت ادویات اور سامان ساتھ لے کر دیہات میں گشت کرے۔ چنانچہ سنان نے تجربہ کار ڈاکٹروں کا ایک عملہ تیار کیا۔ یہ لوگ دیہات میں گشت لگاکر ہر گاؤں میں پہنچ جاتے تھے۔ ان کے ساتھ گشتی دواخانہ اور ضروری سامان ہوتا تھا۔ بقدر ضرورت ہر گاؤں میں قیام کر کے کسانوں اور نادار لوگوں کا علاج کرتے تھے۔ وزیر کی طرف سے ہدایت تھی کہ علاج میں مسلم اور غیر مسلم میں فرق نہ کیا جائے' البتہ حیوان سے پہلے انسان اور غیر مسلم سے پہلے مسلم کا علاج کیا جائے۔ کسی گاؤں میں پہنچ کر اگر رہبر بہم نہ ہو تو تب تک وہیں قیام کیا جائے' جب تک مناسب انتظام نہ ہو جائے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج ۵' ص ۳۰۵)۔

گشتی ہسپتال کی روایت کا آغاز ۹۳۱ء میں ہوا۔ ایک صدی کے اندر گشتی ہسپتال رائج ہو گئے تھے۔ گشتی شفاخانے گیارھویں صدی عیسوی میں معروف تھے (The Legacy of Islam, p 336)۔

فوج کی طبی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایسے شفاخانے قائم کیے گئے' جو سفر و حضر میں فوج کے ساتھ ہوتے تھے۔ سلطان محمود سلجوقی کا لشکر جب چلتا تو ان کا شفاخانہ ۴۰ اونٹوں پر لدا ہوتا تھا' جس کی حفاظت کے لیے ایک فوجی دستہ متعین تھا۔ فوج کے ساتھ جو اطبا ہوتے تھے وہ نہایت تجربہ کار اور باصلاحیت ہوتے تھے۔

مسلم شفاخانوں کے انتظام کے متعلق مورخوں نے مکمل تفصیلات فراہم کی ہیں:

اسلامی تاریخوں میں ان اداروں کے انتظام کے بارے میں بہت ہی درست معلومات دی گئی ہیں۔

ہم نہ صرف ان اداروں کے ذرائع آمدنی سے باخبر ہیں بلکہ اطبا' ماہرین امراض چشم اور ملازموں کی تنخواہیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں (The Legacy of Islam, p 336)۔

مسلم بیمارستانوں کے مصارف کے لیے سرکار یا بعض اوقات امرا کی طرف سے اوقاف مقرر ہوتے تھے' جن کی سالانہ آمدنی سے ہسپتال کا خرچہ چلتا تھا۔ اوقاف متولی یا مہتمم کے زیر نگرانی ہوتے تھے' وہی شفاخانے کی ضروریات کے لیے رقم مہیا کرتا تھا۔ بغداد کے بیمارستان عضدی کے لیے عضدالدولہ نے ساڑھے ۷ لاکھ درہم سالانہ کی جاگیر وقف کر رکھی تھی۔ ملک منصور قلاوٗنی نے قاہرہ میں "بیمارستان الکبیر المنصوری" بنوایا تو اخراجات کے لیے ۱۰ لاکھ درہم سالانہ کے اوقاف مقرر کیے۔

عہد وسطیٰ کے ان طبی اداروں کا نظم و نسق چلانے کے لیے ایک مکمل انتظامیہ موجود تھی۔ ہر شفاخانے کی نگرانی ایک بڑے طبیب کے ذمے ہوتی تھی جسے ساعور کہتے تھے۔ حکومت اپنی طرف سے اس شخص کو ساعور مقرر کرتی تھی جو اعلیٰ درجے کا طبیب ہوتا تھا۔ ہسپتال کا عملہ ساعور کی نگرانی میں کام کرتا تھا۔ یہ عہدہ سب سے پہلے بختشوع کو ملا تھا۔ بغداد کے بیمارستان رشیدی میں یوحنا ابن ماسویہ رئیس الاطبا (ساعور) تھے۔ جندی شاپور کے بیمارستان میں یہ عہدہ مشہور طبیب سابور بن سہل کو ملا تھا۔ رے کے ہسپتال میں ابوبکر رازی ساعور کے عہدے پر فائز تھے۔ بعد میں جب وہ بغداد چلے آئے تو انھیں ۱۰۰ سے زائد اطبا میں سے منتخب کر کے بڑے ہسپتال کا ساعور بنایا گیا۔ مختلف زمانوں میں جبرئیل بن عبیداللہ' ثابت بن سنان بن ثابت (المتوفی ۹۴۲ء) اور ابن التلمیذ (المتوفی ۵۶۰ھ) جیسے اطبا بغداد کے شفاخانے کے ساعور رہے۔ قاہرہ میں مہذب الدین عبدالرحیم ابن علی الدخوار مملوک عہد حکومت میں رئیس الاطبا کے عہدے پر فائز تھے۔ بیمارستان الکبیر المنصوری میں بھی انھیں رئیس الاطبا مقرر کیا گیا تھا۔ ان کے نامور شاگرد ابن النفیس بیبرس کے دور سلطنت میں رئیس الاطبا تھے۔ عہد عباسی میں ہسپتالوں کی نگرانی کے لیے ایک منتظم عمومی کا تقرر کیا گیا۔ خلیفہ المقتدر کے وزیر ابوالحسن علی بن عیسیٰ نے ۹۱۵ء میں بغداد مکہ اور مدینے کے شفاخانوں کی نگرانی کا کام ابوعثمان سعید بن یعقوب الدمشقی کو تفویض کیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج ۵' ص ۳۰۴)۔ منتظم عمومی کی حیثیت سے یہ غالباً پہلے شخص تھے۔ ان کے انتقال کے بعد سنان بن ثابت کو طبی اداروں کے نظم و نسق سنبھالنے کا کام تفویض ہوا۔ سنان شاہی طبیب تھے مگر انھیں منتظم عمومی کی حیثیت سے زیادہ شہرت ملی۔ جیسا کہ جارج سارٹن کہتے ہیں:

ان کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ بغداد کے شفاخانوں کا بہترین انتظام اور طبی پیشہ کا معیار بہتر بنانے کے اقدامات ہیں (Introduction to the History of Science, Vol. 1, p 641)۔

سنان بن ثابت کی اصلاحات اور انتظامی اقدامات نے طب کے وقار میں چار چاند لگائے۔ ۹۳۱-۹۳۲ء

میں خلیفہ مقتدر کو شکایت پہنچی کہ کسی نیم حکیم کے غلط علاج سے ایک شخص جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ خلیفہ نے شہر کے محتسب کو حکم دیا کہ جب تک سنان بن ثابت کے دستخط سے اطبا کے پاس اجازت نامے نہ ہوں، انھیں مطب کرنے سے روک دیا جائے۔ خلیفہ کے حکم پر سنان نے اطبا کا امتحان لینے کا طریقہ رائج کیا۔

> ۹۳۱-۹۳۲ء میں بغداد کے اطبا کو اس وقت تک مطب کرنے سے روک دیا گیا جب تک ان کا امتحان نہ لیا جائے اور وہ سرکاری سند حاصل نہ کریں۔ سنان نے، جن کے ذمہ یہ کام تھا، ۱۰۰ سے زائد اطبا کا امتحان لیا (ایضاً)۔

امتحان سے شاہی اطبا اور مسلمہ صلاحیت کے معالج مستثنیٰ کیے گئے تھے۔ بغداد کے غیر معروف اطبا کی تعداد تقریباً ۱۰۰۰ تھی، سنان بن ثابت نے ان کا امتحان لیا اور جو طبیب جس فن میں ماہر پایا گیا، اسے صرف اسی فن میں علاج کرنے کی سند دی گئی۔ امتحان میں ۱۰۰۰ اطبا میں سے صرف ۷۰۰ امیدوار کامیاب ہوئے۔ ناکام امیدواروں کو مطب کرنے سے روک دیا گیا۔ سنان بن ثابت کے اس طریقہ کار کا نتیجہ یہ ہوا کہ مطب کرنے کے لیے یا علاج کرنے کے لیے سرکار کی سند لازمی ہو گئی۔ ول دوراں کا بیان ہے:

> کوئی شخص امتحان میں کامیاب ہوئے بنا اور سرکاری سند حاصل کیے بغیر قانونی طور پر مطب نہیں کر سکتا تھا۔ اسی طرح دوا فروش، حجام اور ماہرین امراض اطفال بھی سرکاری قواعد اور معائنہ کرانے کے پابند تھے (The Age of Faith, p 246)۔

اطبا کے امتحان کا طریقہ دوسرے ادوار و ممالک میں بھی جاری رہا۔ چھٹی صدی ہجری میں ابن التلمیذ نے اطبا کا امتحان لیا اور صرف ان لوگوں کو علاج کرنے کی اجازت دی، جو اس کے اہل پائے گئے۔ مصر اور شام کے رئیس الاطبا یا منتظم عمومی مہذب الدین الدخوار تھے۔ انھوں نے ملک العادل کے حکم پر ایک مرتبہ مصر کے کحالوں (ماہرین امراض چشم) کا امتحان لیا اور صرف ان کحالوں کو علاج معالجے کی اجازت دی، جو امتحان میں کامیاب ہوئے تھے (طب العرب، حصہ تشریحات و تنقیدات، ص ۲۸۸)۔ جن اطبا کو مطب کرنے کی اجازت ملی تھی ان کے نام رجسٹر میں درج ہوتے تھے۔ ممتحن مقرر کیے جانے کے وقت خیال رکھا جاتا تھا کہ وہ دین دار، ماہر فن اور دیانت دار ہوں۔

اطبا سے امتحان میں پوچھے جانے والے سوالات کی جھلک عبدالعزیز مسلبب کی تصنیف امتحان الالباء لکافۃ الاطباء سے سامنے آتی ہے، جس میں کحال سے پوچھا گیا ہے کہ ایک ایک کے دو دو کیوں نظر آتے ہیں؟ شب کوری کے اسباب کیا ہیں؟ مجبر (ہڈی بٹھانے والے) سے سوال کیا گیا ہے کہ خلع اور میل کی علامات کیا ہیں؟ جبر کیا ہے؟ کون سی ہڈیاں ہیں جن پر دشبھہ نہیں بندھتی ہے؟ جراح سے دریافت کیا جاتا ہے کہ انسان کے بدن میں کتنی ہڈیاں ہیں؟ اعصاب اور عضلات کتنے ہیں؟ رگیں کتنی اور کہاں کہاں ہیں؟ (۳)

عہد اسلامی میں دوا فروشوں کی نگرانی کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ ترک سپہ سالار افشین نے ذکریا طیفوری کو دوا فروشوں کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیا اور ان کو چھاؤنی سے نکال دیا جو دھوکا باز تھے۔ دیانت دار دوا فروشوں کو خلیفہ کے پاس بھیج دیا۔ نجی دواخانوں کے علاوہ خود حکومت کی اپنی ڈسپنسریاں ہوتی تھیں۔ دواخانوں کے مالکوں کا امتحان لیا جاتا تھا اور صرف انھی کو ڈسپنسری چلانے کا لائسنس ملتا تھا جو امتحان میں کامیاب ہوتے تھے۔ دوا کی کیفیت اور قیمت پر سرکار کی طرف سے نگرانی کی جاتی تھی۔

ازمنہ وسطیٰ کے مسلم شفاخانوں میں اطبا متعین ہوتے تھے۔ "بیمارستان عضدی" میں ۲۴ اطبا خدمات انجام دیتے تھے۔ ہسپتال میں ماہرین خصوصی کی مختلف جماعتیں کام کرتی تھیں جن میں طبائعیوں (ماہرین عضویات)' کحالوں (ماہرین امراض چشم)' جراحوں (سرجن) اور مجبروں (ہڈی بٹھانے والے) تھے۔ تبریز کے ربع رشیدی شفاخانے میں مختلف ممالک کے ۵۰ اطبا رہتے تھے۔ جراح' کحال اور مجبر اس کے علاوہ تھے۔ مسلم حکمرانوں کے پاس درباری اطبا بھی ہوتے تھے۔ سیف الدولہ جب دسترخوان پر بیٹھتے تھے تو ۲۴ ڈاکٹر موجود رہتے تھے۔ خلیفہ متوکل کے پاس مسلمان ڈاکٹروں کے علاوہ ۵۶ عیسائی اطبا تھے۔ درباری اطبا کو مختلف خدمتوں کے عوض دو دو تین تین تنخواہیں ملتی تھیں۔

اطبا میں ہمارے زمانے کے اسپیشلسٹوں کی طرح مختلف امراض کے ماہرین خصوصی ہوا کرتے تھے۔ ان میں بعض فصاد' کچھ کحال اور کچھ اسنانی ہوتے تھے۔ بعض اطبا صرف عورتوں کے علاج کے ماہر تھے اور صرف یہی خدمت انجام دیتے تھے۔ مصر میں اکثر کحال تھے کیوں کہ وہاں آنکھوں کی بیماری عام تھی۔ یہ لوگ قدح عین کے ذریعے موتیابند کا اس طرح علاج کرتے تھے' جس طرح آج اس کا آپریشن کیا جاتا ہے۔ "بیمارستان عضدی" میں دوشنبہ اور جمعرات کے دنوں میں بغداد کے بڑے بڑے اطبا آتے اور پیچیدہ امراض کی تشخیص و امراض میں متعین اطبا کی مدد کرتے تھے۔ رئیس الاطبا کے کام کرنے کے ایام مقرر تھے۔

ہسپتالوں میں لائبریریاں ہوتی تھیں۔ بڑے بڑے اطبا ہسپتالوں ہی میں طب کا درس دیتے تھے' عضدی ہسپتال میں لیکچر دیتے تھے۔ قاہرہ کے "بیمارستان الکبیر المنصوری" میں درس و تقریر کے لیے علیحدہ کمرے مخصوص تھے۔ شفاخانے میں متعین ممتاز طبیب کے لیے روزانہ معمول تھا کہ وہ بیماروں میں گشت لگا کر معائنہ کرے اور ان کا حال پوچھے۔ ہر بیمار کے لیے نسخے اور ہدایات تجویز کرے۔ نجی بیماروں کا معائنہ کرے' شام کو واپس ہسپتال آکر الایوان الکبیر (بڑے ہال) میں بیٹھ کر جہاں کتب خانہ بھی تھا' اطبا اور طلبہ کی جماعت کے ساتھ تین گھنٹے تک طبی مباحث اور درس میں مشغول رہے اور کتابوں کا مطالعہ کرے۔ تبریز کے "ربع رشیدی شفاخانے" میں ۵۰ اطبا تھے' جن میں سے ہر ایک کے ذمہ ہسپتال کے فرائض کے علاوہ ۱۰ طلبہ کو تعلیم دینا تھا۔ ان کے علاوہ بیمارستان میں جو جراح' کحال اور مجبر تھے ان میں ہر ایک کے ذمے پانچ

طلبہ کو عملی تعلیم دینا تھا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۵، ص ۳۰۶)۔

مسلم شفاخانوں میں الگ الگ وارڈ ہوتے تھے۔ بغداد کے بڑے دارالشفا میں متعدد وارڈ تھے۔ ہر وارڈ شاہی محلہ معلوم ہوتا تھا۔ قاہرہ کا منصوری ہسپتال محل میں قائم کیا گیا تھا جس کے چار بڑے ایوان تھے۔ بادشاہ نے بہت سی نئی عمارات بنوائیں۔ ہسپتال میں مختلف وارڈ تھے، قدیم چار ایوان نجار (حمیات) کے مریضوں کے لیے مخصوص تھے۔ آشوب چشم والوں کے لیے علیحدہ وارڈ تھا۔ موارد عمل جراحی (surgical cases) کے لیے اپنا الگ وارڈ اور امراض بطن یا اسہال کے بیماروں کے لیے علیحدہ وارڈ تھا۔ بیمار خواتین کے لیے زنانہ وارڈ علیحدہ تھے، جن کی تیمارداری اور خدمت کے لیے نرسیں تعینات تھیں۔ مردوں کے لیے جداگانہ وارڈ تھے، جن کے خدام اور تیماردار مرد ہوتے تھے۔ جرجی زیدان کے بقول مسلم شفاخانوں میں ہر مرض کے لیے علیحدہ وارڈ تھا یا مخصوص وارڈ بنائے گئے تھے۔ وارڈ کے لیے جو طبیب متعین ہوتا تھا وہ اس میں چکر لگاتا تھا۔ اس کے آگے وہ تیماردار اور خدام ہوتے تھے جو اس کام کے لیے مقرر ہوتے تھے۔ طبیب بیماروں کو تشفی دیتا، دوائیں تجویز کرتا اور ہر مرض کے لیے دوائیں لکھتا تھا۔ میکس میرہاف کا بیان ہے:

> شفاخانے دو حصوں میں منقسم ہوتے تھے۔ ایک حصہ مردوں اور دوسرا عورتوں کے لیے مخصوص ہوتا، ہر حصے میں اپنا وارڈ اور ایک دواخانہ ہوتا تھا (The Legacy of Islam, p 336)۔

ہسپتالوں میں ادویات وافر مقدار میں موجود ہوتی تھیں، یہ دوائیں دور دراز ممالک یا شہروں سے منگائی جاتی تھیں--- رشید الدین طبیب نے سلطان علاء الدین کے عہد میں ہند کا دورہ کیا، جس کا ایک مقصد یہ تھا کہ ہندستان سے وہ مفردات فراہم کیے جائیں جو فارس میں دستیاب نہ تھے۔ چنانچہ علاء الدین نے رشید الدین طبیب کو جو تحائف بصرے کی بندرگاہ کے راستے سے بھیجے، ان میں ۲۲ دوائیں شامل تھیں۔ "بیمارستان منصوری" میں روزانہ خرچ ہونے والی معمولی دواؤں کو چھوڑ کر خاص دواؤں میں صرف شربت انار کے ۵۰۰ رطل خرچ ہوتے تھے (طب العرب، ص ۴۸۸)۔ اوودیہ سازی میں ماہر دواساز ملازم رکھے جاتے تھے۔ بیمارستان رشیدی کے لیے جندی شاپور کے ہسپتال سے ماسویہ جیسے ماہر دواساز کو لایا گیا تھا۔ ابن البزوخ دواسازی و عطر سازی میں مشہور تھے۔ احمد تمیمی اور احمد و عمر ابنائے یونس کو ادویہ سازی اور ترکیب نسخہ جات میں خصوصی مہارت حاصل تھی۔ شفاخانوں میں ادویہ سازی کے لیے مخصوص کمرے اور گودام ہوتے تھے۔ نسخے تیار کرنے کے لیے الگ کمرے تھے۔ اسپین کے ایک طبیب نے ادویہ سازی میں درکار نادر پودوں کی کاشت کے لیے ایک نباتاتی باغ لگوایا تھا۔ یہ پودے وہ دوران سفر دوسری جگہوں سے لائے تھے (The Legacy of Islam, p 336)۔

ادویہ سازی پر سابور بن سہل کی تصنیف قراباذین شفاخانوں میں رائج تھی' صیادلہ کی دکانوں پر بھی یہی استعمال ہوتی تھی۔ بعد میں ابن التلمیذ نے موجز بیمارستانی تصنیف کی تو شفاخانوں میں اس کا بھی رواج ہوا۔ بیمارستانوں میں استعمال ہونے والی دواؤں کے بارے میں انھوں نے ایک اور رسالہ مقالۃ امینیہ فی الادویۃ البیمارستانیہ تحریر کیا تھا۔

مسلم شفاخانوں میں وسیع انتظامی عملہ ہوتا تھا۔ ان میں دوائیں کوٹنے والے' نسخے تیار کرنے والے' مرہم پٹی کرنے والے' کھانا پکانے والے' خدام' منشی اور طبی افسر ہوتے تھے۔ شفاخانوں میں رہایشی مکانات بھی ہوتے تھے' جہاں طبی افسر اور انتظامی عملے کے دوسرے افراد قیام کرتے تھے۔

قاہرہ کے "بیمارستان منصوری" میں بیماروں کے کپڑے دھونے' مریضوں کو غسل کرانے' کمروں اور بستروں کی صفائی اور دوسری خدمتوں کے لیے نوکر اور نرسیں مقرر تھیں۔ خدمت کے لیے ہر مریض کو دو محافظ اور نگراں میسر تھے۔ مختلف قسم کی ادویات' تیل' پیالے اور دوسری چیزیں تقسیم کرنے کے لیے ملازم مقرر تھے' جن کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ مطبخ میں اپنی نگرانی میں مریضوں کے لیے مقوی کھانے' مرغ' چوزے اور گوشت تیار کروائیں اور ہر بیمار کے لیے مجوزہ طعام ایک الگ اور خاص تھالی میں اس کے سامنے پیش کریں' جس میں کوئی دوسرا مریض شریک نہ ہو گا۔ ملازمین کو حکم تھا کہ وہ کھانا ڈھانپ کر بیماروں تک پہنچائیں اور تب تک ڈیوٹی انجام دیتے رہیں' جب تک تمام مریضوں کو کھانا فراہم نہیں کیا جاتا۔

"بیمارستان منصوری" میں بے خوابی کے مریضوں کے لیے علیحدہ وارڈ کا انتظام تھا۔ جہاں گویے اور داستان گو ملازم رکھے گئے تھے۔ یہ لوگ موسیقی اور دلچسپ قصوں سے بیماروں کو خوش کرتے تھے۔ مریضوں کو مطالعے کے لیے تاریخ کی کتابیں فراہم کی جاتی تھیں۔ کمزور مریضوں کے لیے ایسی ایکٹنگ کی جاتی تھی' جس سے وہ خوش ہو کر ہنس پڑیں۔ انھیں خوش کرنے کے لیے دیہاتی ناچ پیش کیے جاتے تھے۔ شفاخانے کے نزدیک جو مسجدیں واقع تھیں' ان کے مؤذنوں کو حکم تھا کہ وہ صبح سے تقریباً دو گھنٹے پہلے اذان دے دیا کریں اور اچھے لحن کے ساتھ اشعار پڑھیں تاکہ بیمار خوش ہو جائیں' کیوں کہ بے خوابی اور طویل رات ان کے لیے تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ بیمارستان میں روبہ صحت مریضوں کی فوری شفایابی کے لیے بھی موسیقی کا انتظام تھا۔ انسانی ہمدردی کے یہ خوب صورت نظارے کسی ایک ہسپتال کی چاردیواری تک محدود نہ تھے۔ قرون وسطیٰ کے دوسرے مسلم ہسپتال بھی یہی روح پرور سماں پیش کر رہے تھے۔ اورنہ کے شفاخانے میں دس موسیقار تعینات تھے' جو ساز بجا کر مریضوں کی دل بہلائی کا فرض انجام دیتے تھے۔

ازمنہ وسطیٰ کے مسلم شفاخانوں میں بیماروں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا تھا۔ "بیمارستان منصوری" میں عام اجازت تھی کہ اس میں بلاتفریق مذہب و ملت' رنگ و نسل' ہر مریض داخل ہو سکتا

ہے۔ اس کے وقف نامے میں کہا گیا تھا کہ یہ ہسپتال امرا و غربا' مرد و زن' مقامی و غیر مقامی' بچوں اور بوڑھوں' لڑکے اور لڑکیوں' اجنبی و رشتے داروں' مقیم و مسافر' قوی و ضعیف' عام و خاص' اعلیٰ و ادنیٰ' افسر و ماتحت' بینا و نابینا' افضل و کمتر' مشہور و گمنام' ذی قدر و بے قدر' مالک و مملوک چاہے اُن کا تعلق کسی رنگ و نسل سے ہو' ان کے امراض جسمانی ہوں یا روحانی یا اعصابی' کم ہوں یا زیادہ' ایک جیسے ہوں یا مختلف' ظاہری ہوں یا باطنی سب کے لیے وقف ہے۔ سب کا علاج بلامعاوضہ ہو گا جس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ یہ علاج محض خدا کے لیے اور آخرت کا اجر حاصل کرنے کی غرض سے اور اس کے احسان عام کی وجہ سے ہو گا' کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ مریض کی بھلائی پر خرچہ کیا جائے اور ان لوگوں پر جو بیماروں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ وقف نامے میں کہا گیا ہے کہ غریب بیمار چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں' مکمل صحت یابی تک شفاخانے کے اندر داخل رہیں گے' جہاں علاج کی تمام سہولیات ان پر صرف کی جائیں گی اور تمام لوگوں کی ضروریات پوری کی جائیں گی۔ اس ہسپتال میں علاج کی کوئی مدت مقرر نہ تھی۔ مریض شفایاب ہونے یا مرنے کے بعد ہسپتال سے نکلتا تھا۔ دمشق' قاہرہ' بغداد اور دوسرے شہروں کے شفاخانوں کے دروازے ہر قسم کے مریضوں کے لیے کھلے تھے۔ ہندستان میں فیروز شاہ تغلق کے بنائے ہوئے بڑے شفاخانے میں بلالحاظ رنگ و نسل' مذہب و ملت تمام بیماروں کا علاج یکساں طور پر کیا جاتا تھا۔

عہد وسطیٰ کے مسلم شفاخانوں میں مریضوں کو جو سہولیات میسر تھیں' وہ جدید دور کے بڑے بڑے ہسپتالوں میں بھی فراہم نہیں ہوتیں۔ شفاخانوں میں کوئی فیس وصول نہیں کی جاتی تھی۔ علاج معالجے کا سارا خرچہ اوقاف سے پورا کیا جاتا تھا۔ ہسپتال کے بیرونی حصے میں نووارد مریض کا سب سے پہلے گہرا معائنہ کیا جاتا تھا۔ مرض اگر ہلکا ہوتا تو اسے نسخہ لکھ کر دیتے اور وہ شفاخانے کی ڈسپنسری سے دوا لے کر چلا جاتا۔ بیماری زیادہ ہوتی تو مریض کا نام و پتا درج کیا جاتا۔ حمام میں اس کے کپڑے اتروا کر ایک مخصوص گودام میں جمع کیے جاتے' پھر اسے شفاخانے کے کپڑے پہنا کر متعلقہ وارڈ میں پہنچا دیا جاتا' جہاں پاک و صاف بستر والا پلنگ الاٹ ہوتا۔ اس کے بعد ڈاکٹر اس کا علاج شروع کرتے تھے۔ دوا اور غذا تجویز ہوتی تھی۔ کھانے میں بکری' گائے' تیتر' مرغ اور دوسرے پرندوں کا گوشت فراہم کیا جاتا تھا۔ روبہ صحت مریض جب مقررہ روٹی اور سالم مرغی ایک دفعہ کھاتا اور اسے ہضم کر جاتا تو اسے تندرست مانا جاتا۔ "بیمارستان احمد ابن طولون" میں "مریض جب مرغ کا شوربا اور ہلکے کھانے لگتا تب اسے گھر جانے کی رخصت ملتی تھی۔ "بیمارستان کبیر دمشق" میں مریضوں کے اخراجات کی تفصیل درج ہوتی تھی۔ "بیمارستان صلاح الدین ایوبی" میں مریضوں کے لیے شان دار کمرے تھے۔ ہر کمرے میں پلنگ اور اس پر بچھونے اور تکیے رکھے ہوتے تھے۔

شفاخانوں میں بیماروں کو جاڑوں میں گرم کپڑے' کمبل اور کوئلہ فراہم کیا جاتا تھا۔ "منصوری

شفاخانے" میں ناظم وقت کو حکم تھا کہ وہ بیماروں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں، آنکھوں کے استعمال کی اشیا دیگچے، برتن، معجون، مختلف مرہم، تیل، مشروبات، ادویات، فرش، بستر اور ضروری آلات وقف کی آمدنی سے پورے کرے۔ بیماروں کی عام ضروریات بھی شفاخانے ہی کی طرف سے پوری کی جاتی تھیں۔ مریض کے لیے روزانہ جلانے کی خوشبو، کھانے پینے کے لیے رکابیاں، شیشے کے پیالے اور گلاس فراہم کیے جاتے تھے۔ مٹی کی صراحیاں، کوزے اور دیئے جلانے کے تیل، کھانے پینے میں استعمال کے لیے دریائے نیل کا پانی، مریض کے کھانے کو ڈھانپنے کا سامان اور گرمی میں کھجور کے پتوں کے بنے ہوئے پنکھے بھی وقف کی طرف سے ملتے تھے۔

مراکش کے شفاخانے میں بھی مریضوں کو کم سہولیات میسر نہ تھیں، یہاں اون، کتان، ریشم اور چمڑے سے بہترین بستر تیار کرائے گئے تھے۔ بیماروں کے لیے جاڑوں اور گرمیوں میں دن اور رات کے لیے الگ الگ کپڑوں کا انتظام تھا۔ مملکت کے کسی حصے میں بھی کوئی بھی پردیسی اور اجنبی بیمار ہوتا، اسے لاکر ہسپتال میں داخل کر دیا جاتا۔ "بیمارستان عضدی بغداد" میں کمزور اور فقیر مریض کشتیوں میں لائے جاتے تھے، جہاں ڈاکٹر صبح و شام ان کا علاج کرتے تھے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے طرابلس کے ایک عجیب وقف کا ذکر کیا ہے جس کی آمدنی ایسے دو آدمیوں کے لیے مخصوص ہے، جو ہر روز شفاخانوں میں جائیں اور بیماروں کے پاس آپس میں سرگوشی کے انداز میں اس طرح باتیں کریں کہ مریض سن لے اور وہ ان کی باتوں سے یہ اثر لے کہ اب اس کی حالت بہت اچھی ہو رہی ہے، اس کا چہرہ سرخ معلوم ہوتا ہے اور آنکھوں میں چمک ہے (ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، **اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو**، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۲۲۹)۔

ہندستان میں داخل مریضوں کے لیے انواع و اقسام کے لذیذ کھانے، بہترین میوے اور پھل، قسم قسم کے مشروبات میسر ہوتے تھے، جنھیں دیکھ کر کوئی بھی تندرست آدمی بیمار بن جاتا۔ ۱۴۴۳ء میں ایک سیاح دمشق کے شفاخانے میں لذیذ کھانے دیکھ کر بیمار بن گیا اور اپنا نام مریضوں کے رجسٹر میں درج کرا لیا۔ طبی افسر نے لذیذ کھانے، گوشت، مرغ، مٹھائیاں اور بہترین پھل تجویز کیے۔ لیکن انھیں سیاح کی "اصل بیماری" معلوم ہو گئی تھی۔ تین روز بعد رقعہ لکھ کر بھیجا کہ مہمان صرف تین روز ٹھہر سکتا ہے۔

"بیمارستان منصوری" پوری دنیا میں قرون وسطیٰ کا سب سے بڑا ہسپتال تھا، جس کا احاطہ دہلی کے لال قلعے کے احاطے سے تین گنا بڑا تھا۔ اس میں بیماروں کے لیے ۸ ہزار بستروں کی گنجایش تھی۔ روزانہ ۴ ہزار سے زائد مریضوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ اتنے بڑے ہسپتال میں بھی ناظم وقف کے فرائض میں ایک فرض یہ تھا کہ جو لوگ ہسپتال میں تندرست ہو جائیں، انھیں حسب حال اوسط درجے کا لباس فراہم کیا جائے اور

اس کے ساتھ نقد رقم دی جائے، تاکہ باہر جا کر وہ دوسروں کے محتاج اور دست نگر نہ ہو جائیں۔ دوسرے مسلم شفاخانوں میں بھی دستور تھا کہ مریض جب شفایاب ہونے کے بعد ہسپتال سے چھٹی پاتا تو اسے گھر جانے کے لیے کرایہ اور سفرخرچہ دیا جاتا تھا، جسے زادالسلام کہتے تھے۔ اس کے علاوہ اسے اتنی رقم دی جاتی تھی، جس میں وہ اپنے گھر پر رہ کر بیماری کے بعد کے کمزوری کے ایام بے فکری سے گزار سکے تاکہ معاشی مجبوری کے تحت اسے فوری طور پر کام کرنا نہ پڑے، جس سے وہ دوبارہ بیمار ہو جائے۔ لباس اور نقدی امیر و غریب سب کو ملتی تھی۔ البتہ غریب آدمیوں کو نہ صرف کمزوری کے ایام گزارنے کے لیے رقم دی جاتی تھی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس قدر نقدی فراہم کی جاتی تھی، جس پر وہ اس وقت تک گزارہ کر سکتے تھے، جب تک انھیں روزگار دوبارہ نہ مل جاتا۔ مراکش کا ہسپتال اس معاملے میں سب سے آگے تھا۔ یہاں ہسپتال سے رخصت ہوتے وقت اغنیا اور فقرا سب کو رقم ملتی تھی۔ البتہ غربا کو اس رقم کے علاوہ اتنا سرمایہ دیا جاتا تھا، جس سے وہ اپنا کاروبار شروع کر سکتے تھے۔ پردیسیوں کے لیے جو شفاخانے مخصوص تھے، ان میں بھی یہی سہولیات میسر تھیں۔

مسلم بیمارستانوں میں اگر کسی مریض کی موت واقع ہو جاتی تو اس کی تجہیز و تکفین پورے اسلامی آداب کے ساتھ شفاخانے کی طرف سے ہوتی تھی۔ غسل دینے، حنوط لگانے، کفن کے اخراجات اور قبر کھودنے کی اجرت شفاخانے کے وقف سے ادا کی جاتی تھی۔ میت کو سنت نبویؐ کے مطابق باعزت طور پر دفن کیا جاتا تھا۔ قاہرہ کا "بیمارستان منصوری" تمام مسلم شفاخانوں کے لیے انسانی ہمدردی کی قابل رشک مثال پیش کر رہا تھا۔ اس ہسپتال میں خارجی بیماروں کے لیے بھی بڑے پیمانے پر سہولیات فراہم تھیں۔ اس کے وقف نامے میں ناظم اوقاف کو ہدایت کی گئی تھی کہ جو آدمی اپنے گھر میں بیمار ہو اور ہسپتال میں علاج کرانے سے لاچار ہو، اسے جس دوا، شربت یا معجون کی ضرورت ہو وہ اس کے گھر پہنچا دے۔ اگر کوئی ایسا خارجی مریض اپنے گھر میں مر جائے تو ناظم اس میت کے شایان شان اس کی تجہیز و تکفین کے اخراجات، غسل دینے، قبر کھودنے اور قبرستان تک پہنچانے کی اجرت شفاخانے کے وقف سے ادا کرے۔ یہ وہ ہدایات تھیں، جن سے سرمو انحراف نہیں ہوتا تھا، بلکہ اگر ناظم اوقاف چاہتے تو سہولیات کا دائرہ بڑھا سکتے تھے۔ یہ ان کی صوابدید پر منحصر تھا۔ وقف نامے میں کہا گیا تھا کہ ناظم کا فرض ہے کہ ظاہری اور باطنی حالات میں اللہ سے ڈرے، کسی بڑے آدمی کے ساتھ نچلے طبقے کے آدمی سے بہتر سلوک نہ کرے، نہ اپنے ملک کے باشندے کو غیر ملکی پردیسی پر ترجیح دے، بلکہ خرچ میں ثواب اور اللہ کے قرب کا لحاظ رکھے جو رب الارباب ہے (تفصیل کے دیکھیے: احمد عیسیٰ بک، تاریخ البیمارستانات فی الاسلام، دمشق، ۱۹۳۹ء)۔

(قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے کا ایک باب)

حواشی

۱- تیرھویں صدی عیسوی اور اس کے بعد سے ملنسیہ کی مقامی بولی میں ہسپتال کا ترجمہ "مرستان" اور "ملنستان" رائج ہے۔ ہسپانوی بولیوں میں اور گیارھویں صدی ہجری کے قاہرہ میں بھی "مرستان" کا لفظ رائج ہوا۔ آج کل قاہرہ میں اس کا تلفظ "مُرستان" ہے۔ المغرب کی جدید بولیوں میں "مورسطانی" اور بعض جگہ "موسطران" استعمال ہوتا ہے اور پورے المغرب میں اس کے معنی خطرناک پاگلوں کا قید خانہ ہے۔ دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج ۵' ص ۳۰۹۔ عربی میں آج کل شفاخانے کے لیے مستشفیٰ کا لفظ آتا ہے۔ مارستان یا مارستانی پاگل خانے کے لیے مروج ہے۔

۲- حکیم نیرواسطی صاحب کے بیان کے مطابق ابوسعید یمامی نے اطبا کے امتحان کے لیے ایک کتاب تیار کی تھی۔ اس میں طبیبوں کے علم' تجربے اور لیاقت کے پیش نظران کے درجات مقرر کیے گئے تھے اور امتحان کے طریقے اور قواعد پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ ان کے بعد عبدالعزیز مسطبب نے امتحان الالباء س کافۃ الاطبا تحریر کی جو دس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں نبض' قارورہ' حمیات و نجاریں' صحت و مرض کی علامات جیدہ و مخوفہ' علم ادویہ' علم مداواۃ' علم مسائل اصول کے ابواب ہیں۔ ہر باب میں ۲۰' ۲۰ سوالات اور ان کے جوابات دیے ہیں' تین ابواب جراحوں' کحالوں اور مجبروں سے متعلق ہیں۔ ان میں ۲۰' ۲۰ سوالات اور ان کے جوابات ہر باب کے ذیل میں درج ہیں۔ دیکھیے: طب العرب' ص ۲۸۸-۲۹۱)

دعوت و تربیت کے اس سال میں

منشورات کے کتابچے آپ کا اسلحہ اور ہتھیار ہیں!

دعوت عام کی بنیادیں از خرم مراد

مئی اور جون ۲۰۰۰ء میں شائع ہونے والی یہ فکر انگیز تحریر اب دستیاب ہے۔ قیمت : 7/50 روپے

لمحات کا نیا ایڈیشن بھی آگیا ہے۔ مجلد ۱۹۰ روپے' پیپر بیک ۱۴۰ روپے

یہ کتاب دعوت و تربیت کے میدان کی عملی راہنما کتاب ہے

اس کے علاوہ ہمارے ۱۰۰ کے قریب کتابچے مفید اور موثر ہیں' فہرست کے لیے لکھیے :

منشورات' منصورہ' ملتان روڈ' لاہور

فون : 5419520-24, 5425356 (042) فیکس : 7832194 (042)